UrduPhoto.com

شیشم کی دہلیز چوکھٹ کے پار.. جس کی پوروں میں شیشم کے پتوں کی تالیوں کی گونج ابھی باقی تھی اور اس پر سے محمد جہان‘ الف جہان‘ نمبردارنی بہشت بی بی اور ماہلو کے جنازے گزر چکے تھے‘ اُس کے پار.. دھریک کے موتے ہوئے سوکھے پتے ابھی لو کا جو گرم تھپیڑا آیا تھا اُس کی تاب نہ لا کر زرد آنسوؤں کی مانند گرتے ہی چلے جاتے تھے.. محمد جہان نمبردار کے ویہڑے کے کچے فرش پر بچھتے ہی چلے جاتے تھے تو اُن کی زردی کے فرش پر ابھی تک اپنے پاؤں پر کھڑے صاحب بہادر مرغ کے زرد پنجے نظر نہ آتے تھے.. اُس کی موت کی منتظر زرد آنکھیں بھی گویا آنکھیں نہ تھیں دھریک کے دو خزاں رسیدہ پتے تھے جو اس کے ناتواں وجود کے سر میں چپکے ہوئے تھے.. جونہی اُس کی لامبی پُرشکوہ اور کبھی پُرتمکنت رہ چکی گردن شاخ سے ذرا [illegible] گردن کو قائم رکھ سکتا تھا..

وہ [illegible] گیا تھا.. صاحب بہادر مرغ کہ.. وہ اس جہان رنگ و بو میں بس چند لمحوں کا مہمان ہے [illegible] مانتا تھا..

وہ تنہا رہ گیا تھا..

نور بیگم کی درجنوں چتکبری‘ سوہنی اور من موہنی مرغیوں اور بانکے سجیلے مرغوں میں سے بس وہ تھا جو ابھی تک بچا ہوا تھا..

ابھی تک اس کی گردن ڈھلکی نہ تھی‘ وہ قائم تھا اپنی اُن ٹانگوں پر جن میں سے جان نکلتی جاتی تھی اور جن کے آخر میں جو زرد پنجے تھے وہ دھریک کے پتوں میں پانچ پانچ پتے ہوتے اُن میں دکھائی نہ دیتے تھے..

ہوا کا ایک اور جھونکا اُس بھری دوپہر میں سرسرایا اور ٹنڈ منڈ ہوتی دھریک کی ٹہنیوں سے منسلک اس کے آخری پتے بھی اس سے جدا کر دیے.. وہ بھی صاحب بہادر پر زرد آنسوؤں کی مانند ٹپ ٹپ گرے..

یوں تنہا کھڑے.. اپنے آپ کو قائم رکھنے کی سعی میں مبتلا.. اُس کی مرگ کی زردی میں اُترتی آنکھوں نے چوکھٹ کے پار بخت جہان کے چہرے کو منتظر دیکھا.. اور اُس کی موہوم آس امید بھی رخصت ہو گئی کہ وہ چہرہ چوکھٹ کے پار تب ہی دکھائی دیتا تھا جب اس ویہڑے میں کسی نہ کسی مرغی یا مرغ کی موت واقع ہوتی تھی.. چوکھٹ کے پار جس کے اندر شیشم کے پتوں کی تالیوں کی گونج ابھی باقی تھی‘ گلی میں منتظر وہ ایک زوال کی زردی میں آیا ہوا سفید دملتا ہوا چہرہ تھا جس پر اگرچہ بوڑھی ہو چکی دو نیلی تتلیاں آنکھیں اب بھی پھڑپھڑانے کی سکت رکھتی تھیں.. بوسیدہ پگڑی میں سے بہتے اس کے

کھنگھریالے چٹے سفید بال اُس کی ٹیڑھی گردن کی مُردہ ہو چکی رگوں اور شریانوں کو ڈھانپتے تھے۔ناک اتنی تیکھی تھی کہ وہ اتنی تیکھی ہونے سے تنگ آ کر قدرے ترچھی ہوئی جاتی تھی۔ اُس منتظر بوڑھے کا پنڈا ایسا تھا کہ اُس پر پانی ٹھہرتا نہ تھا' اتنا چکنا اور پھسلواں۔ بھوری بھینسوں کے مکھن اور دودھ سے پلا ہوا پنڈا۔ اُس پر اتنی چکناہٹ کہ پانی اس پر ٹھہر ہی نہ سکتا تھا.. ایسا بدن بخت جہان کا تھا جو چوکھٹ کے پار کھڑا اُس کی مرگ کا منتظر تھا۔ اُس کی گردن ہمیشہ کے لیے ڈھلک جانے کے انتظار میں کھڑا تھا۔

اگرچہ اُس کی بخت جہان کی اپنی اکڑی ہوئی گردن بھی بار بار ڈھلکتی تھی۔

اگر شام تک صاحب بہادر مرغ کی گردن نہ ڈھلکتی تھی' قائم رہتی تھی تو بخت جہان نے اپنی حویلی کے کھنڈر میں.. اُن گھوڑوں کے اصطبل میں جن کی نعلیں بھی زنگ آلود ہو چکی تھیں اور پچھلے پہار کے مسمار ہونے کو در و دیوار کی تاریکی میں بکھرے ہوئے ''جب دل ہی ٹوٹ گیا'' ''برسو رے..'' اور ''بدریا برس گئی اُس پار'' کے گھِس چکے سیاہ ریکارڈوں میں.. ایک تقریباً بھوکی رات گزاری تھی۔ کنیز فاطمہ تو بھیک مانگ کر گزارہ کر سکتی تھی' پر وہ.. بخت جہان تو کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا سکتا تھا۔ البتہ اپنے سگے بھائی محمد جہان کی بیٹی نُور بیگم کی مری ہوئی مرغیوں پر [illegible] کا حق بنتا تھا۔ اپنوں سے مانگنے میں تو کوئی عار نہ تھا۔

صاحب بہادر بمشکل قائم چوکھٹ کے پار اپنی زرد آنکھوں سے اُس شخص کو تکتا تھا جو اُس کے مسمار ہو جانے کا تمنائی تھا.. [illegible] آخری بیٹی ہو تو ہمیشہ کی مانند [illegible] اپنے چاچا [illegible] کی بجائے مجھے عنایت کر دو..

اور نُور بیگم [illegible] سے پچھلی اندھیاری کوٹھڑی میں جہاں اُس نے روشن [illegible] تھا جہاں رانگلے پایوں کی نواری چارپائیاں ایک کے اوپر ایک [illegible] کی چھت کے شہتیروں کے درمیان [illegible] کا جو روزن تک تھا اُس تک جاتی تھیں اور اُن میں وہ نواری چارپائی بھی تھی جس پر اُس کی [illegible] ماں بہشت بی بی نے آخری سانس لیے تھے تو نُور بیگم اُس چارپائی پر لیٹی اُس کی نوار میں سے مہکتی اپنی ماں کے بدن کی خوشبو سانسوں میں بھرتی اپنی دل کش آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھرتی تھی اور جس لمحے وہ چوکھٹ کے پار گلی میں آ کھڑا ہوتا ہے اپنی نیلی اور بھوکی آنکھوں سے دیہڑے کے اندر جھانکتا ہے تو نُور بیگم کو گویا الہام ہو جاتا ہے کہ دھریک تلے ابھی تک اپنی ٹانگوں پر کھڑا اُس کا اکلوتا اور چہیتا مرغ جس کا دم نکلا ہی چاہتا ہے اور وہ پچھلی کوٹھڑی میں اپنی ماں کے پاس اسی لیے آ لیٹی تھی کہ وہ اسے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی تو اُس پر چاچا بخت جہان اُس لمحے اُس پر نظریں جمائے ہوئے ہے تو وہ اپنے باریک ہونٹ بھینچتی باہر دیہڑے میں آ کر چوکھٹ تھام کر کہتی ہے ''چاچا' دفع ہو جا یہاں سے... یہ صاحب بہادر نہیں مرنے والا.. مر بھی گیا تو تجھے نہیں ملے گا.. میں بھی محمد جہان نمبردار کی بیٹی ہوں' رُوڑھی پر پھینک دوں گی.. چُوڑی کو دے دوں گی پر تجھے نہیں دوں گی.. چلا جا یہاں سے..''

اس نُور بیگم کے شوق نرالے تھے..

آس پاس کے گاؤں سے' دُور دراز سے سوہنی سوہنی بانکی چھبیلی مرغیاں منگواتی۔ اُن کے انڈوں کو بھوسا بھرے

تھک میں اپنے ہاتھوں سے سجاتی اور کسی کڑکڑ کرتی مُرغی کو اُن پر بٹھا کر چوزوں کے نکلنے کا انتظار کرنے لگتی.. راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اُن پر بیٹھی مُرغی کے پروں تلے جھانکتی کہ کیا کوئی ایک ایسا انڈہ ہے جو تڑخ چکا ہے اور اُس میں سے کسی چوزے کی چونچ جھانکتی ہے.. اور جب پہلا چوزہ انڈے کے چھلکے میں سے برآمد ہوتا تو وہ اُسے اپنے پہلے جائے روشن کی مانند ہی پیارا لگتا.. ویہڑے کے اوپر رسیوں کا ایک جال تنا تھا تا کہ ہمیشہ کی منتظر چیلیں جھپٹ کر کسی چوزے کو دبوچ نہ لے جائیں.. وہ ان مرغیوں کے عشق میں ایسی مبتلا تھی کہ ہر مُرغی کو انفرادی طور پر اُس سے مخاطب ہو کر اُس سے گفتگو کرتی تھی.. اُس کا حال چال پوچھتی اور اُس سے لاڈ پیار کی باتیں کرتی تھی یہاں تک کہ پچھلی کوٹھڑی میں لیٹے ہوئے اگر اُسے کسی مُرغی کی کُڑکُڑ سنائی دیتی تو وہ اُس کی شناخت کر لیتی کہ یہ تو فلاں چتکبری ہے اور اُسے شائد پیاس لگی ہے..

دنیا پور والے خاص طور پر جو شریک تھے وہ اُسے تمسخر کے انداز میں مرغیوں کی ماں کہتے.. اور اُسے اس لقب سے کچھ ملال نہ ہوتا بلکہ فخر مند ہوتی کہ اگر ایک بلّیوں کا باپ یعنی ابو ہریرہ ہو سکتا ہے تو وہ بھی مرغیوں کی ماں ہو سکتی تھی..

ایک روز ویہڑے پر تنے جال کے نیچے دبکتے چوزوں اور مرغیوں پر لپکنے والی ایک چیل اُس جال میں پھنس کر چار روز تک پھڑپھڑاتی فریاد کرتی رہی اور پھر مُردہ ہو کر لٹک گئی تو گویا نور بیگم کی پیاری راج دلاری مرغیاں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئیں.. اس مُردہ چیل کو دیکھ کر بقیہ چیلوں نے وہ آسمان خالی کر دیا جس کے نیچے نور بیگم کا چوزوں اور مرغیوں سے بھرا [illegible] مرغیاں یکدم سست اور [illegible] ہونے لگیں.. خوراک پر چونچ تک نہ مارتیں اور پانی چکھتی رہتیں.. اُن کے بخار زدہ بدنوں کی پیاس نہ بجھتی تھی.. اُن کی بیٹ پتلی اور سبز رنگ کی ہو گئی جیسے انتڑیوں کی بیماری میں مبتلا [illegible] کے بچوں کا ہوتا ہے.. اور وہ سب کی سب ویہڑے میں چگنے اور کُڑکُڑانے کی بجائے سراسیمگی کی حالت میں ایک کونے میں اکٹھی ہو گئیں.. اس رانی کھیت بیماری کا [illegible] ہوئے تھے جو انہیں کسی حد تک موت سے محفوظ کر لیتے..

جب پہلی مرغی صحن میں ڈھیر ہوئی تو نور بیگم اُسے اپنی آغوش میں لے کر دیر تک جھلاتی رہی کہ شائد یہ بے ہوش ہے.. ابھی ہوش میں آ جائے گی.. ہر مُرغی کی موت کے ساتھ نور بیگم بھی تھوڑی سی مر جاتی..

بر سرِ عام تو نہیں پر اندر ہی اندر وہ ہر مُرغی کی موت پر ماتم کرتی.. ڈھیروں آنسو بہاتی یہاں تک کہ پوہ ماگھ کی راتوں میں اُس کی رضائی گیلی ہو جاتی اور وہ اُس کی گیلاہٹ میں بچی سردی سے ٹھٹھرنے لگتی.. ایک ایک کر کے سب مُرغیاں اور مرغے رخصت ہو گئے..

اور جب وہ پہلی مُرغی جو نور بیگم کے اپنی آغوش میں جھلانے سے بھی زندہ نہ ہوئی تو وہ اشکبار آنکھوں سے اُسے بیچ سے لگائے کوڑے کرکٹ کی ڈھیری ایک روڑھی پر پھینکنے کے لیے جا رہی تھی تب چاچے بخت جہان کی پکار نے اُس کا پیچھا کیا تھا "کو بیٹے اسے روڑھی پر مت پھینک میں نے اسے مرتے ہوئے دیکھ کر کلمہ پڑھ لیا تھا' یہ حلال ہے.. اسے مجھے دے جا.."

UrduPhoto.com

چاچے نے اب جانے کونسا کلمہ پڑھ لیا تھا پر نور بیگم نے وہ پہلی مُردہ مرغی اُس کے حوالے کر دی کہ اُس کے اندر حوصلہ نہ تھا کہ وہ اپنی لاڈلی کو یوں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیتی۔

چاچے کی تو ہر روز عید ہو گئی۔ ایسی موج ہو گئی کہ وہ ہر روز کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین چار مرغیاں مری ہوئی بھون کر کھاتا تھا اور پھر پہلے سے بھی کہیں بلند آواز میں گلی میں سے گزرنے والوں اور چھت پر سے کوّو کراگلے کوٹھوں تک سفر کرنے والوں کو خوب گالیاں دیتا.. اوئے کُتی یا ہو یو..

نور بیگم کے سونے ہو چکے صحن میں دھریک کے زرد پتوں کا فرش بچھا تھا اور صاحب بہادر مُرغ کے زرد پنجے اُس میں یوں مدغم ہوتے تھے کہ پہچان نہ ہوتی تھی کہ وہ دھریک کے پتے ہیں یا اُس کے پنجے ہیں.. وہ ابھی تک اگرچہ قدرے مشکل اور جانفشانی سے اپنی ٹانگوں پر قائم تھا اور بخت جہان اُس پر نظریں جمائے منتظر تھا۔

''تو کیسی میری سگی بھتیجی [illegible] صاحب بہادر [illegible] نے اُتر ناہی ہے.. یہ مر جائے گا تو اپنے سگے چاچے کو نہیں دے گی. [illegible] کرٹ کے ڈھیر پر پھینک آئے گی..''

''ہاں [illegible] نہیں دوں گی.. زور ہی پر پھینک آؤں گی..''

''تو میں اسے وہاں سے اُٹھا لاؤں گا پھر.. میں نے ابھی ابھی کلمہ پڑھ کر اس پر پھونک دیا [illegible].. یہ حلال ہو گیا ہے.. یہ [illegible] گوشت [illegible] ہڈیوں کو طاقت دے گی.. تو [illegible] اپنے چاچے کا [illegible]

[illegible] چاچا.. تو نے کبھی لحاظ کیا تھا؟''

''نہیں کیا تھا تو تجھے.. میں کوئی انکار کرتا ہوں.. تو خود سمجھی ہے.. جانتی ہے [illegible] جاٹ ذرا کھردرے اپنی خصلت اور تکبر سے مجبور ہوتے [illegible] اگر میں نے لحاظ نہیں کیا تو میں بھی مجبور تھا [illegible] کردن کوئی جائداد و میری تو نہ تھی.. ہولے ہولے اس تکبر کی مجبوری نے اُسے ایسا جامد اور بے حرکت کر دیا کہ میں اُسے اب حرکت نہیں دے سکتا.. موئی ہوئی مرغیوں کے لیے منت سماجت کرنے والا شخص محض اپنے جاٹ ہونے کے تکبر کی وجہ سے بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے..''

''چاچا میرا بہشتی باپ تیرا بھرا محمد جہان بھی تو ایک ویسا ہی جاٹ تھا.. اُس میں درویشی، متانت اور قناعت کے سوا اور کچھ نہ تھا.. اور تو نے میرے قبر دار باپ کی درویشی کی کمائی کھائی.. اُسی نے تجھ سے لاڈ پیار کر کے بگاڑا.. تو نے کبھی ایک تنکا توڑ کر بھی دوہرا کیا تھا؟؟ ذرا انگ تمام کر.. بڑھکی لشکا کر اپنے سکھے یاروں کے ساتھ موجیں کرتا دندناتا پھرتا تھا۔ میرے بہشتی باپ کی وجہ سے.. اور پھر تم نے اُس کی آل اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا چاچا۔''

صاحب بہادر میں سکت کم ہوتی جاتی تھی، وہ کوشش کر رہا تھا کہ اُس حریص بوڑھے کی پژمردہ آنکھوں کے سامنے ڈھیر نہ ہو.. اُسے چاہنے والی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے اُسے اس بوڑھے کی منتظر نظروں سے بچاتی طیش میں تھی۔

''جو ہوا سو ہوا نور بیگے.. کیوں گڑھے مردے اکھیڑتی ہے.. ایک مرنے والے مُرغ کے لیے اپنے سگے چاچے کو یوں بے عزت کرتی ہے.. رسوا کرتی ہے۔''

UrduPhoto.com

''تو نے کیا ہمیں.. اپنے سگے بھائی محمد جہان کی گھر والی اور آل اولاد کو کیا کم رسوا کیا؟.. تو نے ہماری ڈولیاں بھی اپنے اس گھر کے صحن سے اٹھنے نہ دیں.. کچھ یاد ہے کہ میری بڑی بہن زینب بیگم کی ڈولی یہاں سے نہیں تیرے ڈر سے چاچے تحصیل دار کے گھر سے اُٹھائی گئی تھی.. ہمارا باپ مر گیا تو کچھ یاد ہے کہ تم نے میری بہشتن ماں کو کیا دھمکی دی تھی.. بہشت بی بی میں نے تیری یہ بیٹیاں جو صورت شکل کی سوہنی ہیں' میں نے انہیں مہاراجہ پٹیالہ کے ہاں بیچ دینا ہے اور اتنی قیمت وصول ہو گی کہ تم عج کر آنا اور میں دو چار گھوڑیاں خرید لوں گا۔''

''پتر.. نہ ذلیل کر.. میں کوئی انکار کرتا ہوں.. جو ہوا سو ہوا۔''

''یہی ویہڑہ ہے ناں چاچا جس میں دھریک کے زرد پتوں پر ابھی تک کھڑے صاحب بہادر کو حریص نظروں سے تکتے ہو.. جہاں سے تم نے میری بہن زینب بیگم کی ڈولی نہیں اٹھنے دی تھی۔''

''ہاں نور بیگمے ایسا ہی ہوا تھا۔'' بخت جہان کے چہرے پر کوئی پشیمانی نہ تھی.. پر وہ اپنی ٹیڑھی گردن جھکائے یوں کھڑا تھا جیسے اپنے گناہوں کے بوجھ [illegible] الحال نور بیگم کے ساتھ بگاڑ نہیں سکتا تھا.. اسے وہ مرغ درکار تھا.. [illegible] اس کے دیگچی میں بھنتے ہوئے ماس کا سواد چکھتا تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ اس مرغ کی موت کے بعد جب وہ صحن سونا ہو جائے گا تو وہ کسی روز سینہ تان کر اس چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہو کر کہے گا.. نور بیگمے میں نے تیری بہن اپنی سگی بھتیجی زینب بیگم کی ڈولی اس ویہڑے سے اُٹھنے نہیں دی تھی اور تمہاری ماں بہشت بی بی [illegible] خبر ہوئی جب کہار ڈولی لے [illegible] اور میں اپنی ایک اصیل گھوڑی پر سوار ہو کر اس ڈولی کو روکنے کے لیے اس کے پیچھے گیا تھا پر وہ چناب پار کر گئی.. تو نے [illegible] کرنا ہے کر لے... پر ابھی اسے سرنگوں رہنا تھا اس مرغ کے لیے جو کلری یا ہوا [illegible] کا نام نہیں لے رہا تھا۔'' مجھے کیوں یہ سب [illegible] دلا کر ذلیل کرتی ہو.. جو ہوا سو ہوا پر دیتے... میں نے تیری [illegible] تو خود کاندھا دیا تھا اور تجھے بچھڑ جانے کے خیال سے یاد ہے [illegible] تو میری اپنی بھتیجی [illegible]۔''

''وہ میں خوب جانتی ہوں کہ میں تمہاری کتنی لاڈلی تھی چاچا.. تو آیا تو اسی نیت سے تھا کہ میری ڈولی روک لے پر امیر بخش کی دراز قامتی نے تجھ پر قہر کی ایسی نظر ڈالی تھی چاچا کہ تیری اس ٹیڑھی گردن کا تھوک خشک ہو گیا تھا.. تو اگر میری ڈولی کو ہاتھ بھی لگاتا تو وہ تیرے ٹکڑے کر کے چیلوں کو کھلا دیتا.. تیری یہ گردن مروڑ کر تیری لاش کو روڑی کے ڈھیر پر پھینک آتا.. ایک مرے ہوئے مرغ کی طرح۔''

نور بیگم... محمد جہان نمبردار کی پانچوں بیٹیوں میں سے سب سے دھیمے مزاج اور خاموش طبع کی تھی۔ ان میں سے دو تو بچپن میں ہی ہیضے کا شکار ہو کر مر گئیں اور ماہلو کو کسی بیماری نے نہیں اس کے اپنے حسن نے مار ڈالا.. وہ اس چاچے سے نہ کوئی پرخاش رکھتی تھی اور نہ ہی اس کی مسلسل مخاصمت کے باوجود اس سے نفرت کرتی تھی اگرچہ بخت جہان کی بے حسی اور ظلم کا زہراب اس کے بدن میں بھی اترا ہوا تھا.. اس کی حیات کی کھیتی میں بھی اس چاچے کے بوئے ہوئے تھوہر کے بوٹوں کی بہتات تھی اور اس کے باوجود وہ درگزر کرتی تھی۔ شائد اس لیے کہ اس کے بخت اچھے تھے کہ وہ امیر بخش ایسے شخص سے بیاہی گئی جس نے تھوہر کے ان تمام بوٹوں کو اکھاڑ کر ان کی جگہ ایسے رنگ رنگ پھول بو دیے جن میں سے اتھتی محبت

کی مہک نے اُسے ایسا خمار عطا کیا کہ وہ تھوہر کی زہرناکی بھول گئی.. وہ اپنے رب کی اتنی شکر گزار تھی کہ اُسے روشن بخش ایسا بیٹا نصیب ہوا کہ اُس نے اس چاچے کے گناہوں کو بھی درگزر کر دیا.. البتہ زینب بیگم اسے نظر انداز نہ کر سکی.. وہ چاچے کی زیادتیوں پر ہر رات روتی.. وہ کیسے ایک ایسے شخص کو معاف کر سکتی تھی جس نے صرف دھمکی نہیں دی تھی بلکہ سچ مچ اگر اس کا بس چلتا تو اُسے مہاراجہ پٹیالہ کے آگے بیچ دیتا تھا.. وہ ہر رات روتی اور یہ طے کر لیتی کہ اگلی سویر وہ اس بوڑھے کو جب وہ افیون کی خود فراموشی میں مست گزر رہا ہو گا اس کی ٹیڑھی گردن دبوچ کر سیدھی کر دے گی.. اُسے مار ڈالے گی.. لیکن نور بیگم اگر آج طیش میں تھی اپنے دھیمے پن کو ترک کر کے چاچے کو اس کی زیادتیاں اور ظلم یاد دلا رہی تھی تو اس کا سبب صرف صاحب بہادر تھا جو اُسے اپنے آٹھ برس کے روشن کی طرح ہی عزیز تھا.. بیٹوں کی طرح.. اور بیٹوں کے لیے مائیں حواس کھو بیٹھتی ہیں. لحاظ نہیں کر سکتیں خاص طور پر اگر چوکھٹ کے پار ایک ٹیڑھی گردن والا بوڑھا اپنی گدلی ہو چکی نیلی آنکھوں میں ایک ایسے بیٹے کے مر جانے کی ہوس اور چاہت میں منتظر ہو..

''کچھ تو لحاظ کر دھیے..''

''چاچا تو نے کبھی لحاظ کیا تھا جواب میں کروں؟''

''کتنی بار کہوں کہ ہاں نہیں کیا تھا.. اگر کرتا تو آج یہ کہتا کہ اگر تو اس مرغ کو مرنے کے بعد روڑی پر پھینک آئے گی تو میں ... سے وہاں سے بھی اُٹھا لاؤں گا..''

''... بس تھوڑی دیر میں اس نے مر جانا ہے.. میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی ٹانگوں میں لرزش آ گئی ہے اور بار بار سبز رنگ کی بیٹیں کر رہا ہے..''

''دفع ہو جا چاچا..''

''بس کر دیے..'' بخت جہاں ... ''ایک حد ہوتی ہے برداشت کی..'' وہ اُجڑ کر بے حیثیت ہو چکا تھا.. فلک بدل گیا تھا پر وہ بخت جہان جو لمحہ موجود میں ایک مرتے ہوئے مُرغ کا تمنائی تھا وہ خود اور اس کی خصلت تو نہ بدلی تھی ''گلی میں کھڑا ہوں.. اپنے محلہ مغربی میں.. اس چوکھٹ کے باہر گلی میں کھڑا ہوں تیرے ویہڑے میں تو نہیں کھڑا جو یوں رعب داب جما رہی ہے.. بس کر دیے..'' پر اس غیرت نفس کا اُبال فوراً ہی جھاگ کی مانند بیٹھ گیا ''تو میری سگی بھتیجی ہے.. کہتی ہے تو میں چلا جاتا ہوں..''

نور بیگم کا طیش بھی ٹھنڈا ہونے لگا.. وہ کوئی غیر تو نہ تھا اس کا سگا چاچا اُس کا اپنا خون تھا اُس سے انکار نہ ہو سکتا تھا..

''چلا جاتا ہوں.. پر افیون کے لیے تو دو چار آنے دے دے.. چل اسے زکوٰۃ ہی سمجھ لے.. ثواب کما لے.. تجھے بہت بھاگ لگے ہیں تجھے امیر بخش ایسا گھر والا مل گیا ہے.. روشن جیسا بیٹا مل گیا ہے.. شہر لاہور میں ٹھاٹھ سے رہتی ہو تو اپنی نیک کمائی میں سے اپنے سگے چاچے کے لیے کچھ زکوٰۃ ہی نکال دے..'' بخت جہان نے اپنی ٹیڑھی گردن کو ایک جھٹکا سا دے کر سیدھا کرنے کی کوشش کی.. وہ جانتا تھا کہ وہ ذلّت کی عمیق ترین گہرائیوں میں گر چکا ہے.. اپنی سگی بھتیجی سے خیرات کا

طلب گار ہے۔ اُس کی ملگجی آنکھوں کے دھندلکے میں ٹھہرے ہوئے کچھ آنسو اُمڈ کر اُس کے گورے ٹھنڈے رخساروں پر بہنے لگے۔ ستواں ناک کے اندرون سے خُرخُر کرتی سسکیاں باہر آنے لگیں اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا "آج میرا ابھرا محمد جہان تیمور دار ہوتا تو وہ مجھ سے لاڈ پیار کرتا.. میں یوں ایک مرے ہوئے مُرغ کی بھیک اور زکوۃ کا طلب گار نہ ہوتا.. بے شک میں نے اُس کی آل اولاد سے بُرا کیا پر وہ تو مجھ سے بُرا نہ کرتا.. میں اُس کا چھوٹا بھائی تھا.. بھائیوں کے بغیر جوڑیاں نہیں ہوتیں.. وہ چلا گیا تو جوڑی ٹوٹ گئی.." بخت جہان کی ہچکی بندھ گئی اور وہ کچھ دیر کے لیے صاحب بہادر کو بھول گیا..

اُدھر نور بیگم کا چوکھٹ پر رکھا ہاتھ لرزنے لگا.. وہ نہ صرف اپنے لاڈلے صاحب بہادر کی قریب المرگی کو فراموش کرگئی بلکہ اپنے چاچے کے سارے ستم بھی بھول گئی اور اس کی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں.. وہ اپنے مرچکے باپ کی آخری نشانی.. اپنے سگے چاچے بخت جہان سے چوکھٹ کے پار آ کر گلی میں لپٹ گئی' ہچکیاں بھرتی گویا اپنے باپ کے گلے لگ گئی.. وہ دونوں سگے.. چاچا اور بھتیجی گلی میں ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے دیر تک نہایت خشوع وخضوع سے روتے دھوتے رہے اور بالآخر نور بیگم اپنے آنسوؤں کو پونچھتی ہوئی بولی "چاچا تو بے شک صاحب بہادر کو ابھی زندہ حالت میں لے جا.. اسے حلال کر کے کھالے.. مجھے کچھ اعتراض نہیں.."

"نہ پُتر.. تیرے اس موہنے مُرغ کو شالا تتی ہوا نہ لگے.. یہ سدا جیوے.. پر جے ہوش گم ہو گئی ہے اور اس کی روح حلق میں اٹکی ہے تو بس اسے کوڑے کے ڈھیر پر مت پھینکنا.. مجھے پکار لینا' میں آ کر لے جاؤں گا.."

"[illegible] موا ہوا مُرغ کھائے گا؟"

"ابھی پُتر.. تو ابھی بالڑی ہے ابھی مت دینے جوگی ہے تجھے نہیں پتہ کہ موئے ہوئے مُرغ اور بندے میں کچھ فرق نہیں ہوتا.. سارے بندے موئے ہوئے ہیں پھر بھی جیتے ہیں.. بے شک کسی مرچکے مُرغ اور بندے کا گوشت بھون کر کھاؤ ان میں کچھ فرق نہیں ہوتا.. میں [illegible] مُرغیاں اپنے چولہے پر چڑھائی ہیں پر حرام ہے کہ ان میں حلال نہ ہونے سے سواد میں کچھ فرق آیا ہو.. میں بُرا ہوں پر اتنا بُرا نہیں کہ تمہارے محبوب مُرغ صاحب بہادر کو زندہ حالت میں لے جاؤں.. مجھے اس چوکھٹ کے باہر گزارا کرنے دے.. میں انتظار کر سکتا ہوں.. اگر افیون کے چار آنے دے دے تو مجھے تسلی ہو جائے گی.. میں تیرا سگا چاچا ہوں نور بیگے.."

UrduPhoto.com

صاحب بہادر مُرغ نے مرنے سے صاف انکار کر دیا تھا..

وہ اپنی ڈھلکتی گردن کو کبھی سنبھالتا کبھی ڈھیلا چھوڑ دیتا.. اُس کے موت کی زردی میں ڈوبے پنجوں پر دھریک کے زرد پتے سرسراتے..

بخت جہان کب کا قبول ہو کر جا چکا تھا. اس گوری یا ہوے تے آج نہیں مرنا. میں نے خواہ مخواہ جذبات میں بھیگ کر نور بیگم کی پیشکش قبول نہ کی ورنہ اب تک امرت کور اسے ہانڈی میں بھون رہی ہوتی.. وہ اُسے اب آواز دے کر بلانا بھی نہیں چاہتا تھا کہ نور بیگم ٹھیک ہے میں اسے زندہ حالت میں ہی لے جاتا ہوں.. چنانچہ وہ مایوس ہو کر کب کا جا چکا تھا.

[illegible] قریب بیٹھی ہی پر بیٹھی اپنے آنگن کی مرغ کو دیکھتی رہی کہ یہ اب مرا کہ اب مرا پر وہ نہ مرتا تھا.. شاید وہ بھی ضد میں آ گیا تھا کہ میں اس نیلی گردن والے بخت جہان کی ہانڈی میں نہیں چڑھوں گا.. نہیں مروں گا..

چائی میں گرم دودھ کے اوپر ٹھنڈی ہو جانے والی بالائی کی موٹی تہہ کو نور بیگم نے انگلیوں سے چھوا اور پھر چائی کو اپلوں سے اُتار لیا..

صاحب بہادر جوں کا توں کھڑا تھا.. گویا وہ بھی ایک بخت جہان ہو گیا تھا. اڑیل اتنا ہو گیا تھا کہ موت کے سامنے بھی اڑ گیا تھا کہ نہیں مرنا اور عین ممکن تھا کہ وہ دل ہی دل میں اپنی آنکھوں میں اُترتی موت کو گالیاں دے کر اسے بھی خوفزدہ کر رہا ہو.. کہ گوری یا ہوے.. تو آ کر تو دیکھ..

اس سے اب یہ اذیت سہی نہ جاتی تھی.. اس کی موت کا انتظار کیا نہ جاتا تھا. نور بیگم نے اپنے صاحب بہادر کو ایسے اٹھایا احتیاط اور اُلفت سے جیسے ایک بیمار بیٹے کو اٹھاتے ہیں اور ویہڑے سے نکل گئی..

چاچا اپنی ڈھے چکی حویلی کے صحن میں بان کی ایک بوسیدہ چارپائی پر یوں اکڑا پڑا تھا جیسے مر چکا ہو.. البتہ حقے کی نال اس کے اب بھی خوبصورت ترشے ہوئے ہونٹوں میں دبی تھی اور ایک طویل وقفے کے بعد اس کے گورے چٹے پژمردہ رخسار پچکتے، حقے کے پانیوں میں سے بُڑبڑاہٹ سنائی دیتی اور پھر اس کے نتھنوں سے خارج ہونے والا دھواں گواہی دیتا کہ وہ مرا نہیں..

"چاچا.."

UrduPhoto.com

"کوئے کون اے گوی یا ہوا..." بخت جہان یکدم ہڑبڑا کر اٹھا' حقے کی نال اس کے ہونٹوں سے جدا ہو کر زمین پر گر گئی اور پھر اس نے اپنے سامنے نور بیگم کو صاحب بہادر کو آغوش میں لیے ہوئے دیکھ لیا" معاف کریں دھیئے.. اس کتی تیاں کو میں لاکھ تعتر ماروں پر اس کی خصلت نہیں بدلتی.."

"چاچا.. یہ ابھی زندہ ہے.. تو اسے حلال کر لے.."

چاچے کے تن بدن میں خوشی کے مارے کنتوں کے عنابی پھول کھلنے لگے.. "کڑیے تو ہی اسے چھری پھیر دے مجھے تو حلال کرنے والا کلمہ ہی نہیں آتا.."

نور بیگم اپنے آنسو پونچھتی اس کے قریب ہوئی۔ صاحب بہادر کو اس کے حوالے کیا اور اس کے سرہانے تلے ایک روپے کا سکہ رکھ کر کہنے لگی" چاچا یہ تیری افیون کے لیے ہے.." اور چلی گئی..

"حق ادا کر دیا ہے تم نے نور بیگمے بھتیجی ہونے کا.."

اس نے نہیں سنا.. وہ جا چکی تھی۔

زمانوں کا ڈھایا ہوا اس کا جثہ صاحب بہادر مرغ کے بھنے ہوئے گوشت کی گرمائش سے سلگنے لگا.. اس کی ہڈیوں ہڈیاں توانائی حاصل کرنے لگیں.. ایک مدت کے بعد یہ پہلا ماس تھا جو اس کے حلق سے اترا اور زندہ تھا.. سویا ہوا تھا تب تک [illegible]

وہ بھی تھیری امرت کور.. کنیز فاطمہ کب کی پچھلی کوٹھڑی میں جہاں صاحباں بھی تھی سو چکی تھی.. اس نے اس مانگے تانگے مرغ [illegible] سے بھی انکار کر دیا تھا کڑی یا ہوئی سنکھنی نے..

صاحب بہادر کے [illegible] کی گرمائش نے بیتے زمانوں کی بے انت تصویروں کو جب گرمایا تو وہ سب ہولے ہولے سلگنے لگیں..

یہ تصویریں ہرگز صاحب بہادر کے ماس کی گرمائش سے نہ سلگتیں اگر ان میں افیون کی ان تین گولیوں کی آمیزش نہ ہوتی جو اس نے نور بیگم کے عطا کردہ روپے کے توسط سے اللہ دتہ شیخ کے ہاتھوں ٹھیکے سے منگوائی تھیں.. اور جنہیں نگل کر وہ ایک ایسی اونگھ میں چلا گیا تھا جہاں ماضی میں ڈھے چکی ساری حویلیاں' سارے گھوڑے.. ساری عورتیں اور سارے تھمبر زندہ ہو رہے تھے..

وہ ناند اب تک موجود تھی جو بھائی محمد جہان کے گھر کی دیوار کے ساتھ شریک تھی جس میں کیسے کیسے گھوڑے اور گھوڑیاں منہ مارا کرتے تھے.. اور اب اس میں بلیاں بچے دیتی تھیں اور کبھی کبھار کوئی خارش زدہ کتا آ لیٹتا تھا.. اس چھوٹے سے اصطبل کی صفائی ستھرائی کو ایک عرصہ بیت چکا تھا.. البتہ اس کی مٹی میں سے جب بھی مینہ کی بوندیں پڑتیں تو گھوڑوں کی لید کی ایک مٹھی سی بو اٹھتی..

بخت جہان افیون کی سرمستی اور صاحب بہادر کے ماس کی گرمائش کے خمار میں اپنے کڑکڑاتے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بمشکل جتنا سیدھا ہو سکتا تھا ہوا اور پھر اس ناند کے قریب ہو کر جھکا.. مٹی میں ان تمام گھوڑوں اور گھوڑیوں کے لشکیلے

جتوں کی مہک تھی جو اُس ناند میں بھرے پانیوں پر اپنی تھوتھنیاں رکھا کرتے تھے.. گئے زمانوں میں یہاں ہنہناتے اور پھنکارتے تھے..

اُن میں وہ اتھری اور باغی گھوڑی بھی تھی جو اُس نے نت کلاں کے سردار جسونت سنگھ کے ڈیرے سے کھول کھڑی تھی.. اُس سردار کو اس گھوڑی پر بہت ناز تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جس گھوڑی کے حصول کے لیے پٹھانوں کے ایک قبیلے سے جنگ کی تھی اور جب اُس کا فاتح جنرل اُسے لاہور کے شاہی قلعے میں دربار عام کرتے مہاراجہ کی خدمت میں پیش کرنے آیا تھا تو گھوڑی کے راستے میں گلاب کی پتیاں بچھائی گئی تھیں..دونوں جانب کنیزیں کھڑی اُس پر پھولوں کی بارش کرتی تھیں اور جب مہاراجہ نے اپنے تخت سے اُٹھ کر اُس کی پشت پر تھپکی دی تھی تو وہ فوراً مطیع ہو گئی تھی. مہاراجہ کے بس دو ہی شوق تھے.. خوبصورت عورتیں اور اتھری گھوڑیاں.. تو یہ گھوڑی اُس کی آل اولاد میں سے تھی جس کے حصول کے لیے ایک جنگ لڑی گئی تھی. جسونت سنگھ اُسے کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتا تھا.. یہاں تک کہ ایک بار اُس کی سردارنی نے شکایت کی کہ جسونت سنگھ کچھ تو حیا کر.. یہ گھوڑی مین وقت پر ہنہنانے لگتی ہے..

بخت جہان اُسے کھولنے کے لیے اکیلا نہ گیا تھا دیپ سنگھ کو ساتھ لے کر گیا. [illegible] دیپ نے جسونت سنگھ کی چارپائی کو جس پر کہ وہ اپنی سردارنی کے ہمراہ اُس پہر نیند میں مدہوش تھا مضبوطی سے جکڑے رکھا اور بخت جہان نے نہایت خاموشی سے [illegible] کے پائے کے ساتھ بندھی گھوڑی کو کھولا اور [illegible] اُس نے ہنہنا کر کچھ احتجاج [illegible] راجہ رنجیت سنگھ سوار ہو گیا ہو [illegible]

ایک اور [illegible] مرزے کی بکی بھی تھی..

نہ صرف آس پاس [illegible] بلکہ اُن سے پرے بخت جہان [illegible] گھوڑیوں کے خبط کے بہت چرچے تھے.. اور یہ چرچے مرزا جٹ کے گاؤں داناباد تک بھی جا پہنچے.. اور وہاں سے ایک سندیسہ آیا کہ یہاں اب بھی مرزے کی گھوڑی بکی کی نسل موجود ہے تو وہ بہت چینڈے مارتا ننکانہ صاحب کے قریب واقع کریر اور جنڈ کی جھاڑیوں میں آباد داناباد تک جا پہنچا.. سونے کے پاؤنڈ ادا کر کے اُس نے بکی کی نسل کی وہ گھوڑی خریدی اور جب وہ اُس گھوڑی پر سوار ہو کر ایک مرزا ہو کر اپنی ڈانگ لہراتا دیپالپور میں نکلتا تو خدائی سہم جاتی' وہ انہیں ماؤں بہنوں کی گالیاں دیتا اپنی اُن زمینوں تک جا پہنچتا جو کبھی اُس کے بھائی محمد جہان کی ملکیت ہوا کرتی تھیں اور اب اُس کے ہل اُن زمینوں پر چلتے تھے.. اور بہشت بی بی اُس کی بھرجائی اور اُس کی اولاد عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے..

جو مرزے کی بکی پر سوار ہو اُسے کیا پرواہ کہ اُس کے مرحوم سگے بھائی کے گھر کے چولہے پر جو ہانڈی چڑھی ہے اُس کے اندر سوائے پانی کے اور کچھ نہیں..

بخت جہان مزید جھکا' اصطبل کی مٹی کے قریب اُس کی نیلی آنکھیں ہوئیں تو انہیں اُس مٹی میں ایک نعل دبی ہوئی دکھائی دی.. ذرا سا کریدنے سے ایک زنگ آلود نعل اُس کے لرزتے ہاتھوں میں تھی.. بخت جہان نے ایک ہوکا بھرا اور اس کے ساتھ ہی نعل کے زنگ آلود لوہے پر اُس کے آنسو گرنے لگے..

UrduPhoto.com

بھینیں کب کی فروخت ہو چکی تھیں.. اپنی بھی اور ہتھیائی ہوئی بھی۔

وہ جو کبھی شاندار تھا اب ایک ماحت ہو چکا تھا.. مانگ تانگ کر گزارہ کرتا تھا.. محلے والے جواب بھی اُس سے دہشت کھاتے تھے صدقے خیرات کے چاول چوری چھپے کنیز فاطمہ کو دے آتے تھے.. نور بیگم جب کبھی لاہور سے دنیاپور [illegible] دلا کر ہی واپس لاہور جاتی.. زینب بیگم بھی کسی آتے جاتے کے ہاتھ اُسے کچھ نہ کچھ بھیجتی رہتی.. اُس کا تو [illegible] کا فوجی پتر فتح محمد باقاعدگی سے کچھ رقم روانہ کرتا پر وہ اُسے ہوا نہ لگنے دیتی.. آپ چاہے بھوکی رہ لیتی پر [illegible] کی ہر حاجت پوری کرتی.. اُس کے کپڑے لتے کا دھیان رکھتی اور اُسے گراموفون کی سوئیوں کی تھوڑ نہ ہونے دیتی کہ بس یہی اُس کے درد کا درماں تھا.. یہی دوا دارو تھا "بدریا برس گئی اُس پار" اور "جب دل ہی ٹوٹ گیا" سننا اور ان گیتوں سے اپنے مسخ شدہ چہرے کو گھورتا..

اگر بخت جہان کی پُرتکبر شوکت اور شانداری نہ رہی تھی تو دنیاپور بھی تو وہ نہ رہا تھا..

اُس کے سکھ یار چلے گئے تھے..

اپنی آبائی زمینوں، کوٹھوں، گھروں اور شمشان گھاٹوں سے بے دخل ہو کر جیسے [illegible] چھروں اور بلموں سے بچ کے چلے گئے تھے.. بیشتر سردارنیوں نے نت کلاں کے برگد والے کنوئیں میں کود کر جانیں دے دی تھیں.. اُدھر جالندھر، [illegible] سے لُٹ پٹ کر آنے والے بھی بیشتر مرد تھے.. اُن کی عورتیں سکھ اُٹھا کر لے گئے تھے [illegible] اُن کی آنکھوں [illegible] سنگھ کے گھر کا [illegible] کر لیا تھا.. باہر جتنوں لوگ مجبوطا اُٹھا کر اپنے خنجروں اور تلواروں کو آبدار کیے انہیں سکھوں کا خون پلانا چاہتے تھے.. بخت جہان کو پہنچی تو وہ اپنی اُتھری پر سوار ڈانگ لہراتا نت کلاں جا پہنچا.. اُس کی دہشت اور [illegible] کی دہشت [illegible] لہناں سنگھ اور اُس کے [illegible] ہجرت کے فرار کے لیے ایک راستہ وجود میں آ گیا.. اگر [illegible] اپنے نت کلاں کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا مسلمان ہو کر یہیں رہ جانا چاہتا..

"نکل جا لہنیاں.. اس سے پیشتر کہ یہ جان جائیں کہ میں بھی ایک معمولی انسان ہوں اور یہ جنونی میرے [illegible] کر دیں.. اور امرت کور کے لیے تو نے مجھے معاف کر دینا ہے.. دل میں کدورت نہیں رکھنی.. رن، تلوار اور گھوڑا کسی کے سگے نہیں ہوتے.. نکل جا.. جیاتی رہی تو کبھی نہ کبھی میل ہو گا اور ہم دونوں ایک مرتبہ پھر جوہڑ کے کنارے بیٹھ کر کیکر کی پھلیاں توڑ کر شراب پئیں گے.."

پاکستان کے وجود میں آنے کے سات برس بعد وہ صرف ایک مرتبہ نت کلاں گیا تھا.. وہاں لہناں سنگھ کے گھر میں کچھ بے روح عجیب سی اُجڑی ہوئی شکلوں والے پناہ گیر رہتے تھے۔

کچھ بھی باقی نہ رہا تھا.. نہ وہ گھوڑی اُتھری اور نہ ہی مرزے کی بکی اور نہ وہ شانداری اور نہ وہ یار، صرف صاحب بہادر کے گوشت کی گرمائش بچی تھی اور وہ بھی ہولے ہولے زائل ہو رہی تھی..

زنگ آلود نعل اتنی بھیگ چکی تھی کہ اُس پر اگر ایک اور آنسو بھی گرتا تو وہ اسے جذب نہ کر سکتی اور اُس آنسو کو [illegible] کی اُس مٹی میں گرا دیتی جس میں وہ ایک عرصے سے دفن تھی..

وہ چمکتی ہوئی نعل کو تکتا اندازے لگاتا تھا کہ کیا یہ کبھی اتھری کے سُموں کی سجاوٹ تھی یا بکی کے سُموں میں ٹھوکی گئی تھی.. اگر یہ اتھری کی تھی تو شائد اسے یاد ہو کہ کبھی اس کے اوپر ٹخنے کے قریب ایک جھانجھر چھنکتی تھی.. جب وہ اُسے سکھ دیپ کی مدد سے جسونت سنگھ کی چارپائی سے کھول کر لایا تھا تو اُس سے اگلے روز اُس نے گاموسنیارے کو بلا بھیجا تھا کہ اس گھوڑی کے پاؤں کے ناپ کے مطابق چاندی کی چار جھانجھریں بنا دو.. اور اس سے اگلے روز وہ نت کلاں میں سردار جسونت سنگھ کے ڈیرے کے قریب سے یوں گزرا تھا کہ اتھری کی جھانجھریں چھن چھن کرتی اُسے خبر کرتی تھیں کہ سردار دیکھ بخت جہان تیری گھوڑی پر سوار جا رہا ہے' باہوں میں زور ہے تو اسے روک کر دکھا.. جسونت سنگھ خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا تھا۔ دنیا پور کا یہ جاٹ بخت جہان اس کی گھوڑی سے بھی زیادہ اتھرا تھا اور اس کے منہ لگنا اپنی موت کو گویا خود پکارنا تھا..

شکستہ ہو چکی ناند کی سُرخ چھوٹی اینٹوں کے درمیان چونے اور گارے کی جو چنائی تھی وہ کب کی بھر چکی تھی اور وہ بس ایک دوسرے کے سہارے ہی قائم تھیں. بخت جہان پر اونگھ طاری ہو رہی تھی' وہ ناند سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گیا.. کیا کہا تھا اس نذر محمد راج نے جس نے ایسی [illegible] ناندیں تعمیر کی تھیں کہ چودھری میں نے ایسی ناند بنائی ہے کہ قیامت تک تیری نسلوں کے گھوڑے اور گھوڑیاں اس میں سے پانی پیتے رہیں گے.. بخت جہان کی ٹیک سے ایک سُرخ اینٹ اپنے مقام سے کھسک کر اس کی پشت پر آ گری..

[illegible] دھمکی دی تھی کہ جہانیاں تو نے اگر [illegible] بعد کسی اور عورت کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میں تیرے ذکر سے کر [illegible] گی بلکہ اس کا اپنا جی بھی بھر گیا تھا ورنہ اس کا جی چاہتا تو امرت کور کون تھی اس کا راستہ روکنے والی وہ اس کے ذکر [illegible] کر دیتا. افیون زدہ منتشر دماغ میں ماضی کی [illegible] ایک تصویر ہی قدرے واضح تھی.. بھاگ بھری کی جو اس [illegible] دروازے میں سے اپنے بچے گلے سے لگائے نکل گئی تھی جس [illegible] گھر کا [illegible] کے بغیر داخل ہوئی تھی اس کے سوا جو بھی تین چار اس کی گھر والیاں رہی تھیں جو اس کے دماغ میں سایوں کی مانند حرکت کرتی تھیں اور ان کی کوئی شکل نہ بنتی تھی.. نہ ہی اسے ان میں سے اپنی آل اولاد کا کچھ حساب یاد تھا اور اولاد کا بھی کیا ہے دو چار دھکوں کی مار ہوتی ہے.. اس کا حساب کیا رکھنا.. وہ جتنی بھی تھیں ان میں سے دو کی میتیں تو اسی ویہڑے میں سے اٹھائی گئیں.. رابعاں ماچھن نے قسم اٹھا کر کہا تھا کہ چودھری جسے بیر کوٹ سے نکال کر لے آیا تھا' اس کا منہ میں نے آپ دیکھا تھا.. نیلو نیل ہو رہی تھی.. شہدی کو زہر مورا دیا گیا تھا.. اور پھر اس کی ایک اور بیوی کی موت کا ذمہ دار بھی شریکوں نے کھلے عام تو نہیں سرگوشیوں میں بخت جہان کو ہی ٹھہرایا۔ شیداں مُصلّن نے اسے نہلایا کفنایا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ میں نے رب سچے کو جان دینی ہے پر میت کے گلے میں نیل پڑے ہوئے تھے اور اس کی زبان لاکھ میلنے سے بھی منہ کے اندر نہ جاتی تھی.. اُسے پھاہے لگایا گیا تھا.. ویسے شریکوں اور گاؤں والوں کے یہ شکوک محض قیاس آرائیوں پر مبنی تھے.. وہ دونوں طبعی موت مریں پر بخت جہان کے گھر میں مریں تو لوگ یقین نہ کر سکتے تھے کہ اس کے گھر میں کوئی طبعی موت بھی مر سکتا ہے..

جب بھاگ بھری امرت کور کے گھر میں داخل ہوتے ہی اُس دروازے سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی تو اُسے کچھ

[illegible] تب بھی دن بھر اپنی زمینوں پر جنوروں کی مانند مشقت کرتے' چارہ کاٹتے' ہل چلاتے' سہاگا پھیرنے کے بعد [illegible] گزر جیسے دارے یا چوپال کے صحن میں جوہڑ کے کنارے درمیان میں رکھے حقّے کی نال گھماتے نتھنوں میں سے [illegible] دیسی تمباکو کا دھواں خارج کرتے اپنے مویشیوں کی صحت' فصلوں کی بڑھوتری اور پانی کی کمیابی کی تذکرے کرتے تو اُن میں کہیں نہ کہیں بخت جہان کی بات بھی چھڑ جاتی..اور بھاگ بھری کی یکدم گمشدگی کی بات بھی نکلنے لگتی.. [illegible] بیلدار کا کہنا تھا کہ اُس نے بڑی نہر کے کنارے اس رات بخت جہان کو ہی دیکھا تھا..اس نے بھاگ بھری کو اُس کے بچوں سمیت نہر میں ڈبو دیا تھا..

دو برس جو بہت تیزی سے سرکتے گزرتے جاتے تھے اُن میں کہیں دنیا پور کے دارے میں ایک بارات اُتری تھی.

اُن زمانوں میں جب گاؤں میں کوئی بارات اُترتی تھی تو وہ صرف اس گھر میں نہ اُترتی تھی جس کی پچھلی کوٹھڑی میں اُس دلہن کو سنگھار کیا جا رہا ہوتا تھا جو خوشی [illegible] پچھاڑ کی دہشت کے مارے [illegible] مار مار کر روتی چلی جاتی تھی بلکہ برادری کے ہر گھر میں اُترتی تھی..

اُس روز پوری برادری کی بھینسوں کا دودھ گھر نہیں جاتا تھا' چوپال یا دارے میں اُترے ہوئے باراتیوں کی [illegible] کے [illegible] جاتا تھا. کئی روز پیشتر دلہن والے برادری کے گھر والوں سے چارپائیاں اور بستر اکٹھے کرنے لگتے تھے..تب [illegible] چوہدرانی [illegible] لگے پایوں والی [illegible] چارپائیاں اور اُن پر تہ شدہ درجنوں بستر برآمد کر کے دلہن کے گھر والوں کو پیش کر دیتی تھی اور وہ [illegible] گزار ہو کر کہتے تھے کہ چوہدرانی [illegible] گاؤں میں سب سے زیادہ اور نویں نکور بستر تمہارے گھر سے نکلے ہیں' [illegible] ہاں سے بان کی چارپائیاں برآمد ہوئی ہیں [illegible] ایک نہیں اکٹھے تین نواری پلنگ ہمارے آگے [illegible] ہیں..وہ چوہدرانی مدتوں اس [illegible] میں جتلا برادری کے دوسرے لوگوں [illegible]

تو ایک ایسی ہی بارات دنیا پور کے دارے میں اُتری.

وہ کسی دور دراز کے علاقے سے آنے والی بارات تھی پر کسی بڑے گھر کی تھی کہ وہ سب کے سب گھوڑیوں پر سوار ہو کر آئے تھے. یہاں تک کہ اُن کے میراثی بھی پیدل نہ چلتے تھے تو رات گئے جب حقّے کا دور چلتا تھا ایک باراتی نے کہا "یہاں..اس گاؤں میں کوئی چوہدری بخت جہان بھی ہے؟"

گاؤں والے تو اس نام سے سہمے سو سہمے پر دلہن کے عزیز و اقارب کی نبضیں بھی رُکنے لگیں کہ کہیں یہ بارات صرف اس لیے واپس نہ چلی جائے کہ بخت جہان ایسا شخص اُن کی برادری میں سے ہے.

"میرا کچھ رقبہ بہاولپور سے پرے چولستان کے آخری کناروں پر واقع قصبے یزمان منڈی میں ہے. وہاں آپ کے ہاں ایسی زمین نہیں ہے کہ بیج بکھیر دو تو وہ سب پھوٹ پڑیں..ویران' بے آباد اور صحرائی خصلت کی زمین ہے. اور اُسے اِدھر اِن علاقوں سے منتقل ہونے والے جاٹوں نے آباد کیا ہے..شنید ہے کہ اُن میں ایک کچی عمر کا نوجوان ایسا ہے جس نے ایک بے آباد صحرائی رقبے سے ایک طویل فاصلے پر واقع کنویں سے پانی کی مشکیں بھر کے اپنی پیٹھ پر ماشکیوں کی مانند لا دکر

UrduPhoto.com

اُس قہرناک گرمی اور دھوپ میں فاصلہ طے کر کے اُس ریتلی زمین پر برسوں وہ بھری ہوئی مشکیں اُنڈیلی تھیں..اور یہ بھی شنید ہے کہ جب رات ہوتی تھی تو اُس کی ماں اور دو بہنیں بھی پانی ڈھونے میں جت جاتی تھیں..اور اب وہی برباد بے آباد صحرائی رقبہ گل و گلزار ہو گیا ہے. ہریاول اتنی ہے کہ اُس پر جو نظر ٹھہرتی ہے اُس میں بھی ہرے ہرے گل بوٹے پھوٹنے لگتے ہیں..مجھے کسی نے بتایا تھا کہ وہ..دنیا پور کے کسی بخت جہان کے لگتے لانے ہیں تو اس لیے پوچھا تھا.''

دلہن والوں کی جان میں جان آئی اور انہوں نے درجن بھر حقوں کو پھر سے تازہ کر دیا.

اُدھر امرت کور..کنیز فاطمہ کے دونوں بیٹے گوبند اور نونہال بلکہ فتح محمد اور غلام محمد اُس کے پلو سے بندھے رہتے..ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھے روٹیاں توڑتے رہتے. اُنہوں نے اپنے باپ اور دھرم کو صرف اس لیے ترک کیا تھا کہ وہ اپنی ماں کے پلو سے بندھے رہنا چاہتے تھے.. پر کسی ایک روز امرت کور نے بخت جہان کے زوال کی بو سونگھ لی.اُس کے ستارے گردش میں آنے والے تھے جان لیا اور اُس نے ان دونوں کو اپنے پلو سے جھٹک دیا.اور جھڑک کر بولی اس حویلی نے سدا باغ بہاراں نہیں رہنا [illegible] لیے بھی اور اپنی اس نتی ماں کے لیے بھی..پہلے تو وہ شدید صدمے میں [illegible] اور پلوں کی مانند چوؤں چوؤں کرتے اپنی ماں سے چمٹنے لگے پر پھر انہیں جانن ہو گیا کہ وہ پتھر کی ہو چکی ہے اور اگر وہ عمر بھر اُس کے تلوے چاٹتے رہیں تو بھی وہ انہیں دوبارہ اپنے پلو سے باندھنے والی نہیں..انہیں گھر سے نکلنا پڑا.ان دونوں کے دُکھڑے اور داستانیں بہت المناک اور الگ الگ ہیں...فتح محمد [illegible] ہوا بھوک کا [illegible] دربدر ہوتا [illegible] جیسا نہ تھا..وہ فوراً بھرتی کر لیا..بے خوفی اور بیوقوفی کے جوہر سے اُسے اپنے پچھلے باپ لہناں سنگھ سے وراثت میں ملے تھے اور وہ تھوڑے عرصے بعد ہی [illegible] کی نظروں میں آ گیا..وہ بلا سوچے سمجھے حکم ملنے پر کسی بھی خطرناک صورت حال میں کود جاتا..اگر فوجی مشقوں کے دوران دشمن کی جانب پھینکا جانے والا ہینڈ گرینیڈ پھٹ نہیں رہا 'صرف [illegible] دے رہا ہے اور سب لوگ خندقوں میں سر چھپائے اُس کے پھٹنے کے منتظر ہیں تو [illegible] فتح محمد [illegible] خندق سے نکل کر گرینیڈ تک جاتا اور اُسے ہاتھ میں اُٹھا کر تا دیر اُس کا مطالعہ کرتا کہ یہ کیوں نہیں پھٹتا..اور گرینیڈ کو بھی علم ہو جاتا کہ وہ گوبند سنگھ عرف فتح محمد کے ہاتھوں میں ہے تو وہ ٹھس ہو کر رہ جاتا.

UrduPhoto.com

ہر ماہ باقاعدگی سے کنیز فاطمہ کو اُس کی پوری تنخواہ کا منی آرڈر وصول ہو جاتا اور وہ اُس میں سے کچھ رقم دوبارہ خرچے پانی کے لیے اپنے فرمانبردار بیٹے کو واپس بھیج دیتی..

البتہ نونہال سنگھ یعنی غلام محمد کا معاملہ الگ تھا.

وہ اپنی ماں کے پلو سے کھلا' گھر سے نکلا تو دو چار برس یوں گم رہا جیسے کہتے ہیں کہ جانے اُسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا..کچھ سراغ نہ ملا.

ایک سویر جب بخت جہان بیدار ہوا' چارپائی کے سہارے کھڑی ڈانگ گرفت میں لے کر اُسے حسب عادت زمین پر کھڑکاتے ہوئے ماں کی گالی دے کر کنیز فاطمہ کو پکارا جو صحن میں ہانڈی روٹی میں مصروف تھی..وہ پیار میں آئی تو سر سے پاؤں تک گہنوں ٹومبوں میں لدی چھم چھم کرتی آئی..

بخت جہاں کی آنکھیں زیورات کی لشک سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں "یہ... یہ تجھے کس یار نے دیے ہیں ٹری یا ہو یے..."

"جہانیاں... یہ میرے پتر نونہال سنگھ نے دیے ہیں... تم گھوک سوئے ہوئے تھے پچھلی رات جب وہ آیا تھا...
میرے سینے کے ساتھ دیر تک لگ کر روتا رہا... کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہے... یہ گہنے وہ دے گیا ہے..."

"پر وہ لہناں سنگھ کا تخم... یہ اتنے ڈھیر سارے گہنے لایا کہاں سے ہے... کہیں ڈاکہ ڈالا ہے..."

"آہو..." کنیز فاطمہ نے سینہ پھلا کر کہا "تو نے بُوجھ لیا ہے... وہ ڈکیت ہو گیا ہے واہ گرو کی کرپا سے... گوجرانوالہ سے پرے شیخوپورے تک جتنی خدائی ہے وہ اس کی دہشت سے رات بھر سوتی نہیں تیری طرح ڈانگیں کھڑکاتی رہتی ہے..."

آنے والے دنوں میں جب بھی وہ بیدار ہوتا اور کنیز فاطمہ ویہڑے میں گہنوں ٹومبوں سے لدی چھم چھم کرتی [illegible] جان جاتا کہ رات غلام محمد چوری چھپے آیا تھا... پتر لہناں سنگھ کا تھا ناں اُس کا تخم ہوتا تو اُس سے مل کر جاتا چاہے وہ [illegible] ڈانگ اٹھا مار مار کر اُسے بھنجڑ کر دیتا پر اُسے مل کر ضرور جاتا... اُس نے ان برسوں میں اُس کی شکل بھی نہ دیکھی... [illegible] اُسے اُن زیورات کو چھونے بھی [illegible] کہیں روپوش کر دیتی کہ جہانیاں میں نے اپنے دونوں پتر [illegible] ہیں... بہورانیوں کو سونے سے لاد دینا ہے تو ان پر نظر نہ رکھ... صاحباں کا علاج معالجہ بھی کرنا ہے۔ تنگی کے زمانے [illegible] تھے بخت جہاں نے اُسے بہت ڈرایا دھمکایا... منت ترلا بھی کیا کہ بھاگاں والیے کوئی ایک آدھ [illegible] دے دیا کر [illegible] پر وہ اڑی رہی...

[illegible] اُن گہنوں کی [illegible] ذخیرہ شدہ گندم کے ڈھیر کے اندر چھپائے رکھی پر جوں جوں گھریلو استعمال کے لیے گندم [illegible] جاتی اور [illegible] میں کم [illegible] ہوتی تو اُس کو دھڑکا لگ جاتا کہ کسی روز بخت جہاں نے ترنگ میں آ کر اُس میں [illegible] ڈال دیا تو کیا [illegible] اُس نے اُسے چھپانے کے لیے ایسا پکا بندوبست کیا کہ وہ گہنے کبھی بخت جہاں کے ہاتھ نہ لگے بلکہ کسی بھی [illegible] کے ہاتھ نہ لگے... ایک سویر [illegible] قبرستان پہنچ کر محمد جہاں کی قبر کے سرہانے دونوں ہاتھ گہرا گڑھا کھود کر پوٹلی کو اُس میں دفن کر دیا... کچھ مدت بیت گئی اور تنگی ترشی کے ایسے دن آ گئے کہ [illegible] بھی ہوئی رقم بھی پوری نہ پڑتی اور جب وہ بخت جہاں کو زور بیگم کی مرنے والی مرغیوں کے حصول کے لیے اس کی چوکھٹ پر ایک گداگر کی مانند کھڑا دیکھتی تو اس کا کلیجہ کٹنے لگتا... غلام محمد کو بھی پھیرا ڈالے ہوئے ایک برس سے زیادہ ہونے [illegible] تھا... اُس نے سوچا اُس پوٹلی میں سیروں کے حساب سے سونا ہے اگر وہ اُس میں سے ایک دو گہنے نکال کر فروخت کر دے تو کچھ دن عزت آبرو سے گزر جائیں گے... بیٹوں کی شادیوں اور صاحباں کے لیے بقیہ زیور کافی سے زیادہ تھے... وہ حسبِ عادت اُسی طور منہ اندھیرے باہر بیٹھنے کے بہانے گھر سے نکلی قبرستان پہنچی اور محمد جہاں کی قبر کے سرہانے کی مٹی ایک کھرپی سے کھودنے لگی... سورج نکلنے میں ابھی کچھ دیر تھی' قبرستان سے پرے کھیتوں کے درمیان ایک کچے رستے پر ہل کاندھے پر اٹھائے چلتے ایک کسان نوجوان کے سوا آس پاس کوئی بشر نہ تھا... اُس کے حساب سے مٹی میں جس گہرائی تک وہ پوٹلی اُس کے ہاتھوں کو لگ جانی چاہیے تھی نہ لگی... اُس نے کچھ اور گہرا کھودا اور جب سوائے مٹی کے اُس کے ہاتھ کچھ نہ آیا تو وہ ایک خوفزدہ اضطراب میں مبتلا ہو کر کھرپی کی بجائے قبر کے سرہانے کو دونوں ہاتھوں سے

UrduPhoto.com

تیزی سے کھودنے لگی جیسے ایک نیولا سانپ کی تلاش میں اُس کے بل کو دونوں پنجوں سے کھودنے لگتا ہے..مقام وہی تھا جہاں اُس نے پوٹلی چھپائی تھی لیکن وہاں اب سوائے مٹی کے اور کچھ نہ تھا..وہ ایک ہسٹریائی حالت میں بے مہار غصّے اور مایوسی میں جتلانہ صرف سرہانے بلکہ قبر کے بقیہ حصّے پر بھی ہاتھ چلانے لگی..اُس کا چہرہ مہرہ مٹی کی تہہ سے اٹا ہوا تھا کہ وہ اب اُس گڑھے میں سر ڈال کر اُس کے اندر دیکھنے کی کوشش بھی کرتی تھی اور اُس کے پہلو میں کھودی گئی مٹی کا ڈھیر قبر سے بھی ذرا اونچا ہونے لگا تھا..سویر کی ہلکی سفیدی کھیتوں اور قبروں کو واضح کر رہی تھی جب چارے کا گٹھا اٹھائے ہوئے اپنے کنویں کی جانب جاتے ہوئے قائم دین ہنجرانے اُسے دیکھ لیا..پہلے تو وہ چارے کا گٹھا زمین پر پھینک کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اُٹھنے کو تھا کہ جانے یہ کیا بھوت پریت ہے چڑیل ہے جو نمبردار کی قبر کو ایک نیولے کی بے چینی سے کھود رہی ہے اور پھر اُس نے اُسے پہچان لیا اور شور مچا دیا...لوگو...اوئے لوگو دوہائی رب کی..بخت جہان کی سکھنی ہمارے بھرا نمبردار کی قبر کھود رہی ہے اُس کی ہڈیاں چبانے کے لیے..

سر سے پاؤں تک مٹی سے اَٹی ہوئی قبرستان سے بالوں سے گھسیٹ کر لائی جانے والی کنیز فاطمہ جب بخت جہان کے ویہڑے میں ڈھیر کر دی گئی تو کسی چڑیل سے بڑھ کر خوفناک دکھائی دے رہی تھی..بخت جہان اُسے ایک پلے کی مانند اٹھا اُٹھا کر زمین پر پٹختا رہا..بول امرت کورے..تو میرے بھرا کی قبر کیوں کھود رہی تھی..اس بری طرح اُسے زدوکوب کرتا رہا کہ وہ اٹھنے تو کیا دیکھنے اور سننے کے قابل بھی نہ رہی، نمبردار کی قبر کی وہ مٹی جس میں وہ اٹی تھی خون آلود کیچڑ [illegible] روز تک مار پیٹ کا یہ تسلسل جاری رہا یہاں تک کہ بخت جہان کے بازو شل ہو گئے..اس میں اُسے مزید پیٹنے کی سکت نہ رہی..پر اُس میں اتنی سکت تھی کہ روزانہ اُسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا چوکھٹ کے پار گلی میں دھکیل دیتا کہ جا ہونا مراد چڑیلے میرے بھائی کی لاش کھانے والئے میرے گھر کے اندر اب قدم رکھا تو میں تمہاری گردن کا منکا توڑ دوں گا..وہ رات بھر گلی میں پڑی رہتی اور پھر گھسٹتی ہوئی [illegible] کے قریب ڈھیر ہو جاتی..پر وہ بولی نہیں..پھر پیک چشم حافظ جی کی منت سماجت کرنے پر جنہوں نے تقریباً پچیس برس پیشتر اُن دونوں کا نکاح پڑھایا تھا کہ چوہدری یہ سکھنی اگرچہ سودائن ہو گئی ہے پر ہے تو اللہ کی مخلوق..اسے اس کے حال پر چھوڑ دے..اس میں اور اچھو شیخ میں کچھ فرق نہیں..اسے معاف کر دے..بعد میں جتنے برس بھی وہ زندہ رہا بخت جہان کبھی لاڈ پیار سے اور کبھی گالیاں بکتا ہوا ہر دو چار روز کے بعد اُس سے یہی سوال کرتا رہا کہ امرت کورے..پر اُس کا جواب کبھی نہ آیا..

بس یہی وہ دن تھے..جب امرت کور اُس کے بھائی نمبردار کی قبر کھودتی پکڑی گئی تھی جب اُس نے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے اس بھرا کی یاد میں رونا دھونا شروع کر دیا..

محمد جہان کی دونوں بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں اپنی آل اولاد سمیت سکون اور طمانیت کی حیات گزارتی تھیں..

زینب بیگم وزیر آباد سے پرے چناب کے کناروں پر واقع جاٹوں کے ایک ایسے گھر میں بیاہی گئی تھی جو

UrduPhoto.com

[illegible] تھوڑی زمین رکھتے تھے پر اس گھرانے میں کچھ پڑھے لکھے بھی تھے.. زینب کا سسر ایک مانا ہوا حکیم تھا جو دوا دارو کے [illegible] بھی کرتا تھا.. اور اس کا دھیما اور کم گو خاوند ایسا تھا کہ نہ پتہ چلتا تھا کہ وہ جاگتا ہے اور نہ ہی کوئی یقین سے کہہ سکتا کہ وہ سوتا ہے.. وہ اتنا گہرا تھا.. واہی بیجی کرنے کی بجائے وہ پٹوار کے محکمے میں ملازم تھا.. اُدھر نور بیگم بھی لاہور میں اپنے سفید بالوں والے لمبے تڑنگے ایک اجڈ پس منظر میں سے نکلنے والے تعلیم یافتہ صوفی منش خاوند امیر بخش کے ساتھ شاد اور آباد تھی.. نور بیگم اگرچہ لاہور میں بیاہی ہوئی تھی پر وہ شہری زندگی اور طور طریقوں سے عمر بھر مفاہمت نہ کر سکی.. اس کے اندر کی دیہاتن ہمیشہ اُس پر غالب رہی.. اُس نے دنیا پور سے اپنا رابطہ برقرار رکھا.. ریشم نائن' بشیرا [illegible] میراثی.. امجو بروالا.. شیداں ماچھن اور کرشیداں جولاہی اُس کے پاس آتے جاتے رہتے.. وہ اُنہیں اپنے قریب بٹھا کر اُن کے دیہاتی لہجے سے ٹھنڈک محسوس کرتی اُن سے دنیا پور کے سکینڈل اور خبریں سنتی اور پہروں سنتی.. [illegible] میں روز یونہی خالی گزرتے تو وہ خاص طور پر ریشم نائن کو سندیسہ بھیجتی کہ بھیج دے مرگئی ایں..

گاؤں کی یہی کھینچ یہی کشش [illegible] اپنے آبائی گھر کے زنگ آلود قفل کھولتی' شیداں [illegible] میراثی کی بیوی [illegible] سے جھاڑ پونچھ اور صفائی ستھرائی ایسے کرتی کہ اس گھر کی وہی قدیمی شکل نکل آتی جس میں اس کا باپ [illegible] بہشت بی بی اور بہن ماہلو چلتے پھرتے نظر آنے لگتے.. دھریک کے سائے تلے اس کی بڑی بہن [illegible] چرخہ [illegible] کاتنے لگتی...

[illegible] میں روشن کو جنم [illegible] کی ہمشیرہ [illegible] میں برتن بھانڈے [illegible] کافی شور کرتی تھی تاکہ بدروحیں اس پیدائش [illegible] موقع پر اس صحن میں نہ اتریں اور [illegible] چارپائی جس پر اس کی بہشتن ماں کی اکڑی ہوئی جس کا سارا خون [illegible] تھیں لاش رکھی [illegible] اور وہ غش کھاتی اُس [illegible] اُس کے مردہ ہونٹوں کو چومتی تھی اور جس کی نوار [illegible] وہ اب بھی اس کی قربت محسوس کر سکتی تھی.

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ کسی ماچھن یا جولاہی کے ہمراہ بوہڑوں والے کنویں کی جانب چل نکلتی.. تب لوکائی نے [illegible] کے باپ کا کتنا ٹھٹھہ اڑایا تھا کہ اس محمد جہان نمبردار کو دیکھو کیسے اپنی جمع پونجی کا بیری ہو گیا ہے کنکریوں بھرے ویرانے میں ایک کنواں کھدوا رہا ہے.. نور بیگم بھی اُن بچوں میں شامل ہوتی تھی جو سارا دن کنویں کی کھودی جا چکی مٹی پر بیٹھے اس میں سے بوہڑوں کے نکلنے کے منتظر رہتے.. جانے اُس میں سے کوئی بوہڑ برآمد ہوا یا نہیں پر اس کا نام بوہڑوں والا کنواں پڑ گیا.. اب اس کے آس پاس اتنی ہریاول اور بلند فصلیں ہو چکی تھیں کہ اُن میں چھپتا ہوا بندہ بھی نظر نہ آتا تھا..

لاہور سے روانہ ہوتے ہوئے وہ زینب بیگم کو سندیسہ روانہ کر دیتی کہ آپا میں آ رہی ہوں اور اگلے روز زینب بیگم ایک گھوڑی پر سوار چناب کے پار.. نالہ پلکھو کے پار وزیر آباد کے راستے اپنے باپ کے ویہڑے میں اُتر رہی ہوتی' اُس کا حال احوال دریافت کر کے فوراً بخت جہان چاچے کی طرف چلی جاتی.. وہ جتنے روز بھی دنیا پور میں ٹھہرتی نہ صرف چاچے کا بلکہ کنیز فاطمہ اور صاحباں کا کھانا بھی نمبردار کے چولہے پر پکتا.. بخت جہان سر شام اُس چولہے کے آگے آ بیٹھتا.. [illegible] ہوئی ٹانگوں کو کھیس سے جکڑ کر ٹیڑھی پر اپنے آپ کو قائم رکھتا.. لاچار سا گردن ٹیڑھی کیے اپنی نیلی آنکھوں سے اُن

UrduPhoto.com

سلگتے اُپلوں کو تکتا رہتا جن کی طفیل اُسے روٹی پانی نصیب ہوتا تھا.. کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کھانا کھاتے ہوئے کوئی لقمہ اُس کے ٹیڑھے حلق میں اٹک جاتا اور زینب کا رنگ فق پڑ جاتا.. وہ اٹھ کر اُس کی گردن کے پچھلے حصے پر زور زور سے دھپے مارتی اور لقمہ کھانستے ہوئے بخت جہان کے حلق سے اُتر جاتا.. نور بیگم کبھی نہ اٹھتی وہ اپنی بڑی بہن کی نسبت ذرا کٹھور دل کی تھی ماضی کو بھلا نہ سکتی تھی..

ہر سویر بیدار ہو کر زینب بیگم اپنے چاچے کے صحن کا رخ کرتی.. اُس کا حقہ تازہ کرتی.. کڑوے تمباکو کو ہتھیلیوں میں مسل کر اس پر گڑ کی ایک ڈھیلی جما کر ٹوپی میں سلگتے اُپلے بھرتی اور پھر اونگھتے ہوئے بخت جہان کے کھلے منہ میں حقے کی نال دے دیتی اور وہ اُس پر یوں منہ مارنے لگتا جیسے ایک بچہ دودھ کی بوتل کے نپل پر منہ مارنے لگتا ہے۔ پچھلے پہر وہ اُسے خود پانی میں گھول کر افیون کی تین گولیاں پلاتی اور پھر احساس جرم کے مارے آبدیدہ ہو جاتی کہ میں یہ کیا کر رہی ہوں.. نیک پاک اعمال کرنے کی بجائے اپنے چاچے کو افیون پلا رہی ہوں.. اُس چاچے کو جو میری ڈولی کے تعاقب میں چناب کے کناروں تک گیا تھا.. پر اُس کے دل میں وہ سب کدورتیں دفن ہو چکی تھیں وہ تو صرف اتنا جانتی تھی کہ اگر افیون میں دو تین دن کا ناغہ ہو گیا تو شاید وہ مر جائے گا.. وہ جیسا بھی تھا اُس کے باپ محمد جہان اور چاچے الف جہان کا بھائی تھا.. اُس کا سگا چاچا تھا..

نور بیگم کٹھور دل والی تھی وہ اُن کدورتوں کو دفن نہ کر سکتی تھی.. اس لیے وہ کہتی تھی کہ چاچا میرا صاحب بہادر مر بھی جائے تو میں [illegible] اُس کے مرنے کی منتظر نہ رہی [illegible] زندہ حالت میں چاچے کے پھر دل دل پر وہ بھول نہ سکی تھی..

بس یہی وہ دن تھے.. جب امرت کور اُس کے بھائی نمبردار کی قبر کھودتی پکڑی گئی تھی جب اس نے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے بھرا کی یاد میں رونا دھونا شروع کر دیا تھا..

اُس کے رونے ہچکیاں بھرنے کی بھرائی ہوئی آواز محلہ مغربی کی گلیوں اور کچے گھروں میں ٹکراتی پھرتی.. چھتو ماچھن دہکتے ہوئے تندور میں پک چکی روٹیوں کے لیے جھانکتی ساکت ہو جاتی اور وہ ساری روٹیاں جل بھن کر کالی سیاہ ہو کر تندور کی آگ میں گرنے لگتیں.. روٹیاں لگوانے والی عورتیں اپنا گندھا ہوا آٹا سروں پر رکھ کر گھروں کو لوٹ جاتیں۔ انچھو شیخ جس کی ماں نے اُسے بمشکل قابو کر کے بستر پر لٹایا تھا وہ اٹھ بیٹھتا اور اُس کی شہ رگ ایک تیز دھار شیشے سے کٹ جانے کی آرزو میں دھڑکنے لگتی.. بابو لوہارن اپنے پر بوجھ ہوئے بھٹی کی طرح دہکتے بدن کے گھر والے کو دھکیل کر پرے کر دیتی کہ وہ آج پھر بین کر رہا تھا.. رونا رُلاتا تھا..

کچھ بھی باقی نہ رہا تھا.. نہ وہ گھوڑی اُتھری اور نہ ہی مرزے کی بکی اور نہ وہ شاندار اور نہ وہ یار.. صاحب بہادر مرغ کے گوشت کی جو گرمائش بچی تھی وہ بھی شام اُترنے کے ساتھ زائل ہو چکی تھی.. زنگ آلود نعل جو اتنی بھیگ چکی تھی کہ اُس پر اگر ایک اور آنسو گرتا تو وہ اُسے جذب نہ کر سکتی.. اُس پر بخت جہان کے آنسو پھر سے ٹپ ٹپ گرنے لگے اور نعل ،

UrduPhoto.com

تھیں جذب نہ کر سکی اور وہ اصطبل کی مٹی میں گرنے لگے جیسے بخت جہاں نہیں وہ نعل آنسو بہاتی ہو.. وہ آنسو پہلے کی طرح جذب نہ ہوتے تھے اُن کے ساتھ بخت جہاں کی ہچکیاں بھی بلند ہو رہی تھیں.. وہ اپنے بھائی کو یاد کرتا رونے لگا' ایک ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج کی مانند کُرلانے لگا.. اور محلہ مغربی کے اوپر جتنا بھی آسمان تھا اس پر وہ کُرلاہٹ دوہائیاں دینے لگی.. جیسے سسّی یاد کرتے ہیں ایسے وہ بھائیاں' بھائیاں باجھ نہ جوڑیاں باجھ نہ جوڑیاں رو رو کر پڑھتا تھا.. اور جب اُس کی کُرلاہٹ اور سسکیوں بھری بوڑھی آواز سے متاثر ہو کر بھی اور خوفزدہ ہو کر بھی محلّے کے مکینوں نے اپنے دیے بجھا دیے مبادا وہ اُن پر چلا دے کہ میں اپنے بھرا کے لیے روتا ہوں اور تم چراغاں کر رہے ہو گوی یا ہو یو.. تب پچھلی کوٹھڑی میں سے چیختی ایک فریاد آئی.. چاچا اب بس کر.... تجھے تو تیرے اعمال کی سزا مل رہی ہے.. مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے..

اور بخت جہاں پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا.. اُس نے اپنی آخری ہچکی کو گلے میں گھونٹ لیا.. رخساروں پر بہتے آنسو بھی نہ پونچھے اور یکدم چپ ہو گیا.. اپنے آپ پر جبر کر کے اپنی آخری ہچکی کو بھی اپنے آپ میں دفن کر کے چپ ہو گیا.. وہ بھی کسی بندے بشر کے حکم یا خواہش [illegible] ہیں اور آنسو اُس کے اندر دم توڑ گئے..

کنیز فاطمہ کے بطن سے وہ اُن کی اکلوتی اولاد تھی اور وہ اُسے پکارتی تھی کہ.. چاچا اب بس...

صاحباں ایسے بچے اپنے والدین کے لیے ایک ایسا امتحان ہوتے ہیں کہ وہ ہر لمحے جیسے اپنے بچے کو مرتا دیکھتے ہیں پھر قبر میں اتارتے ہیں' ابھی فارغ نہیں ہوتے تو وہی بچہ اُن کے ہاتھوں میں دوبارہ جان دے دیتا ہے.. تھوڑی بہت معذوری اپاہج [illegible] قاعدہ تنظیم کے ساتھ کسی حد تک عادت ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ بچے جو پیدائشی طور پر ڈاؤن سنڈروم کا شکار ہوتے ہیں جنہیں منگولائڈ بھی کہا جاتا ہے اُن کے والدین کو بھی ابتدائی صدمے کے بعد کسی حد تک ایک جبریہ صبر آ جاتا ہے..

لیکن صاحباں کا معاملہ جدا تھا.. وہ پیدائشی ایک مسخ شدہ' کچلے ہوئے' ناکارہ اور ٹیڑھے میڑھے بدن کے ساتھ ہوئی.. نیم مردہ بازو' سکڑی ہوئی ٹانگیں [illegible] کی بجائے ایک عفریت لگتی تھی لیکن سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اس تڑے مڑے بدن کے اوپر جو چہرہ تھا اس کی خوش شکلی میں کوئی کلام نہ تھا.. وہ اتنی خوبصورت تھی کہ ایک ماہلو ہو سکتی تھی اور اس سے بڑا آزار یہ تھا کہ اس چہرے کے اندر جو دماغ تھا وہ بے حد زرخیز تھا.. سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے مالا مال تھا.. وہ ایک نہ سمجھ میں آنے والی آزمائش تھی' آسمان سے نازل ہونے والا ایک ایسا جہنم تھی جس کی آگ ٹھنڈی ہی نہ ہوتی تھی.. جب انہیں بتایا گیا تھا صاحباں ایسے بچے جن کے بدن میں مسلسل ایک اذیت بھری توڑ پھوڑ ہوتی رہتی ہے.. زیادہ سے زیادہ تیس برس کی عمر پا سکتے ہیں.. تو بخت جہاں یہ خبر سُن کر گہرے دُکھ میں چلا گیا.. اُس کے دل کے پتھریلے پن کو اس بچی نے موم کر دیا تھا.. وہ کبھی کبھی مہینے میں ایک آدھ بار گھسٹتی ہوئی اپنی نیم تاریک کوٹھڑی میں سے نکل کر اس تقریباً ڈھے چکی کوٹھڑی میں چلی جاتی جس میں گراموفون ریکارڈوں کا ایک ڈھیر دھول میں پنہاں ہوتا تھا.. اُن میں سے کچھ ابھی سلامت تھے.. کبھی سہگل' کبھی ماسٹر مدن اور کبھی کملا جھریا کی آوازیں صحن میں آنے لگتیں اور کنیز فاطمہ کو خبر ہو جاتی کہ صاحباں میں آج اتنی ہمت ہو گئی ہے اس کی طبیعت اتنی سنبھل گئی ہے کہ وہ اس کوٹھڑی میں پہنچ کر گراموفون کی سوئی بدل کر اُسے ریکارڈ پر رکھ کر اپنی پسند کے گیت سُن سکے.. بہت کم ایسا ہوا کہ وہ وہیں تک چلی آئی ہو.. بہر طور وہ اُس

UrduPhoto.com

گھر کی چوکھٹ کے پار کبھی نہیں گئی تھی..

وہی حافظ جی جو اُس کی سکھنی ماں کا نکاح پڑھانے آئے تھے وہ کنیز فاطمہ کی منت سماجت پر اور ہر ماہ دو ٹوپے چاول اور دس ٹوپے کنک کے عوض اُسے اردو قاعدہ اور قرآن پاک پڑھانے پر رضامند ہو گئے تھے.. یہ تب ہوا تھا جب صاحباں چھ برس کی ہو گئی اور ایسے سوال پوچھنے لگی جن کا جواب کم از کم کنیز فاطمہ کے پاس تو نہ تھا..

حافظ جی ایک آیت پڑھ کر اُسے سناتے اور دوہرانے کے لیے کہتے تو وہ پوری آیت صرف ایک بار سننے کے بعد فرفر دوہرا دیتی اور وہ بھی حافظ جی کے معرب لہجے میں.. اردو قاعدہ اس نے دو دن میں پڑھ لیا اور زبانی یاد کر لیا..

اُن حافظ جی کو پختہ یقین تھا اگرچہ وہ اس کا اظہار نہیں کرتے تھے کہ صاحباں پر کسی آسیب کا سایہ ہے.. اُس پر کوئی جن قابض ہے ورنہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ ایک چھ برس کی بچی اور وہ بھی معذور یادداشت کا ایک ایسا معجزہ رکھتی ہو.. اُس کے ٹیڑھے میڑھے بدن کے اندر شکست و ریخت کا ایک مسلسل عمل جاری تھا اور وہ اس بدنی عذاب میں مبتلا راتوں کو سو نہ سکتی تھی.. جب اذیت کسی نہ جاتی تو وہ چارپائی کے پائے پر اپنا سر پٹختی اور اس کے اندر دماغ کی جو شادابی تھی وہ مسلسل سوال کرتی کہ آخر کیوں.. میں ہی کیوں؟

وہ اس نیم تاریک کوٹھری میں اپنے بستر پر پڑی پڑی جوان ہو گئی.. کنیز فاطمہ کے لیے اب ایک اور عذاب شروع ہو گیا.. پہلے تو وہ اس کی غلاظت صاف کرتی تھی' اُس کے بدن کے حصوں کو دھوتی تھی اور اب اس کی بلوغت کی ماہوار نمود کا دھبہ بھی دھونا پڑتا..

UrduPhoto.com

باہر کی دنیا سے صاحباں کا واحد رابطہ کمہاروں کا لڑکا پیر بخش تھا جس کی آمد پر کنیز فاطمہ اس کی شکرگزار ہوتی کہ صاحباں کی جانب دیکھنے کے لیے بھی بہت حوصلہ درکار تھا.. اور وہ اس سے دوستوں کی طرح باتیں کرتا اس کا حال احوال پوچھتا.. پیر بخش وزیر آباد کے ہائی سکول میں میٹرک کا طالب علم تھا چنانچہ اُس کا وہاں روزانہ آنا جانا لگا رہتا.. اور اکثر اُس کی جیب میں ناولوں اور رسالوں کی ایک فہرست ہوتی جو وہ پیر بخش کے حوالے کرتی.. وہ صاحباں کی فراہم کردہ رقم سے خریدتا اور دنیا پور واپسی پر اس کے حوالے کر دیتا.. صاحباں کے لیے کثرت مطالعہ سود مند ثابت نہ ہوا.. چوکھٹ کے پار وہ اس جہان سے واقف ہو گئی جسے دیکھنا بھی اس کے نصیب میں نہ تھا چنانچہ وہ بھی اُس میں چلتی پھرتی.. اُس میں حیات کرتی.. چوکھٹ کے باہر روٹی کے منتظر کتے اُس سے اچھے تھے.. وہ چوکھٹ کے باہر جو تھے..

کنیز فاطمہ نے تو محض عشق کی خاطر رسمی طور پر مذہب بدلا تھا' بخت جہان اگر ہندو ہوتا تو وہ رام نام جپنے لگتی' اُسے اس مذہب سے بھلا کیا لگاؤ ہو سکتا تھا جس کی الف بے سے اُس کا خاوند بھی واقف نہ تھا کہ اس واقفیت کی اُسے کبھی کچھ حاجت ہی نہ ہوئی تھی.. اس کے باوجود وہ بنیادی طور پر ایک مذہبی عورت تھی' لبھاں سنگھ کے گھر میں تھی تب بھی وہ باقاعدگی سے گرنتھ صاحب کو متھا ٹیکنے والی گوروبانی الاپنے والی عورت تھی. اس کی یہ خصلت بدلی نہ تھی وہ اب بھی باقاعدگی سے نماز پڑھنے اور متھا ٹیکنے کی کوشش کرتی.. رمضان کے مہینے میں پورے روزے رکھتی.. جب وہ صاحباں کو پیر بخش کمہار سے منگوائی ہوئی فضول کتابوں پر ہمہ وقت اپنے لرزش میں آئے ہوئے سر کو قائم رکھنے کی کوشش کرتی جھکی ہوئی دیکھتی تو اُسے بہت قلق ہوتا.. اُس نے پورا قرآن پاک دنوں میں پڑھ لیا تھا پر وہ اُس پر کبھی نہ جھکتی تھی.. اُس کی